"نقشِ فریادی" کا اسلوبیاتی تجزیہ

(Stylistic Analysis of "Naqsh-e-Faryadi")

•ڈاکٹر احمد ولی، لیکچرار، شعبہ اردو، جامعہ پشاور
•ڈاکٹر امجد امید، لیکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج نمبر ۲، مردان
•صاحب خان، صدر شعبہ اردو چترال یونی ورسٹی

Abstract

Faiz Ahmad Faiz is considered as one of the great poets of Urdu. His unique style has played a big role in his immense fame and popularity .His childhood and boyhood were influenced by romanticism while his young age was devoted to the progressive movement. That is why there is a profound effect of romance and progressivism on the subjects as well as their style. In the article under review, an attempt has been made to bring out the features of his style and different aspects in the context of "Naqsh-e-Faryadi".

Key Words: Faiz Ahmad Faiz, Urdu Poetry, Naqsh e Faryadi, Diction, Review.

کلیدی الفاظ: فیض احمد فیض، اردو شاعری، نقشِ فریادی، اسلوب، تجزیہ

ہر چیز کی اپنی ایک خاص بنت ہوتی ہے۔ بنانے کا طریقہ کار ہوتا ہے، بنانے یا بننے کے اس عمل میں کچھ مخصوص چیزیں حصہ لیتی ہیں۔ ادب تخلیق کرتے وقت بھی تخلیق کار پہلے موضوع کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ پھر قلم کے ذریعے ایک مخصوص ہیئت کے تحت الفاظ کو پلاٹ میں پروتا ہے۔ اس میں علم بیان و بدیع کے ہیرے ٹانکتا ہے۔ پھر فصاحت و بلاغت کے ذریعے اسے ہر سقم سے پاک کرتا ہے۔ اس کی نوک پلک سنوارتا ہے اور یوں ادب کی ایک مخصوص صنف ظہور میں آجاتی ہے۔

بر محل الفاظ، بیان و بدیع اور فصاحت و بلاغت کے ذریعے اپنی مخصوص شخصیت اور ذہنیت کے مطابق کسی صنف ادب کو منصۂ شہود پر لانا، اسلوب کہلاتا ہے۔ اسلوب کی بے شمار تعریفیں اور توضیحیں کی گئی ہیں جن میں سے دو ایک ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

> "لفظ اسلوب انگریزی کے اسٹائل سے مترادف ہے، یونانی میں اسٹائلاز (Stylos) اور لاطینی میں اسٹائیلس (Stylas) اسلوب کے ہم معنی ہیں اور ہندی میں شیلی کہتے ہیں۔۔۔۔ اس کے مطالب ہیں، لکھنے کا طریق کار، لکھنے کا تعلم، تیز چلنے والا قالم یا لکھنے کا کوئی نوکیلا آلہ کار۔"(۱)

• ڈاکٹر احمد ولی لکچرار، شعبہ اردو، جامعہ پشاور
•ڈاکٹر امجد امید، لکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج نمبر ۲، مردان
•صاحب خان، صدر شعبہ اردو چترال یونی ورسٹی

> ”لفظ اسلوب عربی لفظ اُسلوب (اُ+س+ل+و+ب=) مذکر واحد سے مشتق ہے جس کی جمع اسالیب (ا+س+ا+ل+ی+ب=) مذکر ہے۔ اُردو میں بعض لوگ اُسلوب کے بجائے اَسلوب یعنی الف پر پیش کے بجائے زبر کی آواز سے تلفظ کرتے ہیں۔ لغات میں پیش ہی کی آواز کو تسلیم کیا گیا ہے۔ نور اللغات کے مطابق اسلوب (ع۔ بالضم) مذکر، راہ، صورت، طور، طرز، روش، طریقہ، اسلوب، بندھنا، لازم صورت پیدا ہونا، راہ نکلنا“(۲)

یہ تو اسلوب کے لغوی معنی ہوئے۔ اصطلاحی طور پر اسلوب سے مراد کسی بھی فن کار کے اندازِ تحریر یا لکھنے کی روش، ڈھنگ یا طریقہ کار ہے یعنی وہ کس طرح اپنے جذبات و احساسات، تجربات و مشاہدات کو کسی مخصوص فن کے تحت الفاظ کی صورت میں متشکل کرتا ہے۔ الفاظ کی یہی صورت، بنت یا جامہ اصل میں اسلوب کہلاتا ہے۔ اسلوب کی تشکیل کے پسِ پشت بہت سے عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔ یعنی مصنف، ماحول، موضوع، مقصد اور مخاطب مل کر ایک خاص اور منفرد اسلوب کو جنم دیتے ہیں۔ بقولِ ڈاکٹر سید عبداللہ:

> ”اسلوب سے مراد بات کو بلیغ انداز میں پیش کرنا ہے اور وہ تمام وسائل استعمال کرنا مراد ہے جن سے کوئی ادبی تحریر مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔۔۔“(۳)

یا عابد علی عابد کے الفاظ میں:

> ”اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کا وہ طرز نگارش ہے جس کی بناء پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز ہو جاتا ہے۔ اس انفرادیت میں بہت سے عناصر شامل ہوتے ہیں۔“(۴)

اسلوب کے اس اجمالی بحث کے بعد اب اپنے موضوع ”نقش فریادی کا اسلوبیاتی تجزیہ“ کی طرف آتے ہیں۔
اُردو شاعری کا مثلث جن شعراء سے تشکیل پاتا ہے اُن میں فیض احمد فیضؔ بھی شامل ہیں۔ غالب، اقبال اور فیض کے بغیر اُردو شاعری بالکل تشنہ اور ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ فیضؔ کو اس مسندِ خاص پر فائز کرنے میں جہاں ان کے فکر اور نظریے کا بڑا ہاتھ ہے وہاں ان کے نرم گرم منفرد لہجے نے بھی ان کی شاعری میں وہ جاذبیت، چاشنی اور مٹھاس پیدا کی ہے جس کی مثال اُردو شاعری میں ناپید ہے۔ یہاں فکر کے بجائے ہم فیضؔ کے اسلوب کے مختلف گوشوں کو منور کرنے کی کوشش کریں گے جن کی بدولت فیضؔ کی آواز اُردو شاعری میں دور ہی سے پہچانی جاتی ہے۔
اسلوب کے حوالے سے دیکھا جائے تو فیضؔ کے ہاں الفاظ سے جو منظر نامہ بنتا ہے وہ ہماری شعری روایت کا بھرپور حصہ رہا ہے۔ مثلاً حسن، غرور، سنگِ آستاں، انتظار، دل، قاتل، معصوم، رنگ و بو، بہار، شباب، رقیب، عشق، چارہ ساز، رسوا، ظلمت، شمع، محفل، تمنا، گنہگار، چاندنی، شب، خمار، الفت، فریب، اُداسی، فسردگی، جفا، شکیب، بیتاب، برگ، گل، نسیم، مہ، پھول، گلستاں، خزاں، گلچیں، ستم، باغ، صبا اور اس طرح کے کثیر الفاظ جو فیضؔ نے اپنی فکر کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیے ہیں وہ ہماری شعری روایت میں موجود ہیں۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں وہ الفاظ زیادہ تعداد میں موجود ہیں جن کا تعلق باغ سے ہے جو ہماری شعری روایت کا مشہور منظر نامہ ہے۔ یعنی باغ، پھول، گل، گل چیں، چمن، بہار، خزاں، رنگ، بو، نسیم، صبا، گلستاں وغیرہ۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ فیضؔ نہ صرف شعری روایت سے جڑے ہیں بلکہ اس سے انہوں نے بھرپور استفادہ بھی کیا ہے۔ فیض کے اسلوب پر قدامت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔

فیضؔ کا اسلوب قدیم ضرور ہے انہوں نے اپنی شعری روایت سے بھرپور فائدہ بھی اُٹھایا ہے لیکن وہ اس منزل پر رُکے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے ان قدیم الفاظ کو اس خوب صورتی سے نئے مفاہیم عطا کیے ہیں کہ ان کی پژمردگی اور فرسودگی ذائل ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر انور سدید فیضؔ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''فیضؔ نے نہ صرف نئے استعارے تخلیق کیے بلکہ قدیم شعراء کے مستعمل الفاظ کو بھی نئی تابندگی عطا کی اور ایسی تراکیب وضع کیں جن پر ساختہ فیض کی مہر ثبت ہے۔''(۵)

غرض فیضؔ نے الفاظ سے ان کے پرانے پیراہن اُتار کر نئے ملبوسات پہنائے ہیں جو اپنے دور کی ترجمانی اور فیضؔ کے نظریے کے بھرپور پرچار میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ اس تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ فیضؔ کا اسلوب قدیم وجدید کی آمیزش سے تشکیل پایا ہے جس میں قدامت و جدت ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے نظر آتے ہیں۔ ذیل کی شعری مثالوں میں اسلوب کی یہ کار فرمائی موجود ہے:

ے منتِ چارہ ساز کون کریں
درد جب جاں نواز ہو جائے(۶)

ے اپنی مشقِ ستم سے ہاتھ نہ کھینچ
میں نہیں یا وفا نہیں باقی(۷)

ے ویراں ہے میکدہ، خم و ساغر اُداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے(۸)

ے صبا پھر ہمیں پوچھتی پھر رہی ہے
چمن کو سجانے کے دن آ رہے ہیں(۹)

قدیم وجدید اسلوب کا ملاپ ''نقشِ فریادی'' کی نظموں میں بھی موجود ہے۔ نظم ''انتظار'' سے ایک بند ملاحظہ کیجیے:

ے بہارِ حسن پہ پابندیٔ جفا کب تک؟
یہ آزمائشِ صبرِ گریز پا کب تک؟
قسم تمہاری بہت غم اُٹھا چکا ہوں میں
غلط تھا دعویٔ صبر و شکیب آجاؤ
قرارِ خاطرِ بیتاب، تھک گیا ہوں میں(۱۰)

روایت اور جدت کے ساتھ ساتھ فیضؔ کے اسلوب میں رومانویت کی ایک توانا لہر بھی کوندھتی ہوئی نظر آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں فیضؔ کو جس چیز نے شاعری پر اُکسایا، وہ رومان تھا، جو بعد میں سیاسی اور سماجی شعور پختہ ہونے سے انقلاب میں تبدیل ہو گیا۔ اس لیے فیض کے اسلوب میں رومانوی فکر کے حامل الفاظ بھی دکھائی دیتے ہیں اور ترقی پسندوں کی لفظیات سے بھی انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر قدیم، جدید، ترقی پسند اور رومانوی اثرات کے حامل اسلوب کو تلاشنا ہو تو فیضؔ کا کلام اُٹھا کے دیکھیے، آپ کو یہ چاروں عناصر بیک وقت دستیاب نظر

آئیں گے۔ جس کو فیضؔ کے منفرد، رسیلے اور معتدل لہجے نے کمال فن کاری کے ساتھ شاعری کے روپ میں پیش کیا ہے۔
ذیل کے اشعار میں رومانوی طرزِ فکر کی حامل لفظیات اور لہجے کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے:

۔ رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے(۱۱)

"نقش فریادی" کی نظموں "خدا وہ وقت نہ لائے۔۔۔"، "آخری خط"، "حسینۂ خیال سے"، "مری جاں اب بھی اپنا حسن واپس پھیر دے مجھ کو" وغیرہ میں فیضؔ رومانوی لب ولہجہ اپناتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فیضؔ کی شاعری کا آغاز رومان سے ہوتا ہے لیکن ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کے بعد وہ انقلاب اور حقیقت پسندی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں۔ کوئے یار سے نکل کر جب وہ سوئے دار کی طرف بڑھتے ہیں تو ان کے ہاں اسلوبیاتی سطح پر کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی بلکہ رومانوی لہجے اور موڈ میں وہ ترقی پسند موضوعات کو بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ گرج دار الفاظ، جوشیلے اور خطابیہ انداز کی بجائے نرم اور کومل سروں میں حقیقت و انقلاب کو شاعری کا روپ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انقلابی موضوعات، رومانوی لب و لہجے میں ڈھل کر سامنے آتے ہیں۔ جو فیضؔ کی انفرادیت بھی ہے اور بعد میں آنے والے شعرا کے ہاں اس طرز کی واضح بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے ذیل کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

۔ اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ(۱۲)

۔ چند روز اور مری جاں! فقط چند ہی روز
ظلم کی چھاؤں میں دم لینے پہ مجبور ہیں ہم
اور کچھ دیر ستم سہ لیں، تڑپ لیں ، رولیں
اپنے اَجداد کی میراث ہے معذور ہیں ہم
جسم پر قید ہے، جذبات پہ زنجیریں ہیں
فکر محبوس ہے، گفتار پہ تعزیریں ہیں(۱۳)

۔ بول، کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول، زباں اب تک تیری ہے
بول، یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی موت سے پہلے
بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول، جو کچھ کہنا ہے کہہ لے(۱۴)

''نقش فریادی'' کے کلام کو مؤثر بنانے کے لیے فیض نے نہایت خوبصورت تراکیب کا استعمال بھی کیا۔ جس میں پرانی تراکیب نئی معنویت کا لبادہ اوڑھ کر بھی جلوہ گر ہوئی ہیں اور نئی تراکیب بھی سوچ وفکر کو نئے نئے زاویوں سے پیش کرنے میں مدومعاون ثابت ہوئی ہیں۔

فیضؔ کا ترکیبی نظام دو قسم کے مرکبات سے مل کر مرتب ہوتا ہے۔ جن میں پہلی قسم ان تراکیب کی ہے جو خالص رومانوی موضوعات کو بیان کرنے کے لیے بروئے کار لائی گئیں ہیں۔ مثلاً رہینِ غمِ جہاں، تشنۂ فغاں، غمِ دوست، مسرتِ پیہم، ہجومِ یاس، وفورِ درد، غرورِ حسن، فریبِ وعدۂ فردا، مرہونِ جوشِ بادۂ ناز، منت کشِ فسونِ نیاز، وقفِ سوز و گداز، سوزشِ دردِ دل، تغافلِ پیہم، انتظارِ بے انداز، خوفِ ناکامیٔ اُمید، رنگینیٔ دنیا، بہارِ شباب، حسرتِ دید، ادائے حسن، تبسمِ دوست، چارۂ انتظار، دلِ معصوم، وضعِ کرم، مآلِ غمِ الفت وغیرہ جیسی تراکیب فیضؔ کے رومانوی طرزِ احساس کو بلیغ اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کا کام کرتی ہیں۔

ے
دل رہینِ غمِ جہاں ہے آج
ہر نفس تشنۂ فغاں ہے آج
سخت ویراں ہے محفلِ ہستی
اے غمِ دوست تو کہاں ہے آج(۱۵)

ے
سوزشِ دردِ دل کسے معلوم
کون جانے کسی کے عشق کا راز(۱۶)

ے
القصہ مآلِ غمِ الفت پہ ہنسو تم
یا اشک بہاتی رہو فریاد کرو تم
ماضی پہ ندامت ہو تمہیں یا کہ مسرت
خاموش پڑا سوئے گا واماندۂ الفت(۱۷)

دوسری قسم کی تراکیب وہ ہیں جو فیضؔ کی حقیقت پسندی اور انقلاب کا پرچار کرتی ہیں۔ اس قسم کی تراکیب میں کچھ فیضؔ کی تخلیق کردہ اور نئی ہیں جب کہ کچھ پرانی ہیں لیکن فیض کے معجزِ قلم نے انہیں چھو کر ایک نیا معنوی مفہوم عطا کر دیا ہے اور یہی وہ وصف ہے جو فیض کے اسلوب کو دوسرے شعراء سے ممتاز اور منفرد بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

جور و ستم، خونِ جگر، چشمِ گل چیں، عرصۂ دہر، آتش پیکار، تہِ خواب، کوچہ و باز، ریشم و اطلس و کمخواب، احساسِ ذلت، سازِ طرب، حریمِ ہوس، دیدۂ تر، سرِ خسرو، نازِ کجکلاہی، غایتِ سود و زیاں، صورتِ آغاز و مآل، ساعتِ امروز، یادِ ماضی، دہشتِ فردا وغیرہ جیسی تراکیب کو فیضؔ نے اپنے انقلابی اور نظریاتی طرزِ فکر کو بیان کرنے کے لیے بروئے کار لایا ہے۔ چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

ے
جو پھول سارے گلستاں میں سب سے اچھا ہو
فروغِ نور ہو جس سے فضائے رنگیں میں
خزاں کے جور و ستم کو نہ جس نے دیکھا ہو

بہار نے جسے خونِ جگر سے پالا ہو
وہ ایک پھول سماتا ہے چشمِ گل چیں میں(۱۸)

ے
ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخاب میں بنوائے ہوئے
جابجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے(۱۹)

ے
برس رہی ہے حریمِ ہوس میں دولتِ حسن
گدائے عشق کے کاسے میں اک نظر بھی نہیں(۲۰)
پھر آگ بھڑکنے لگی ہر سازِ طرب میں
پھر شعلے لپکنے لگے ہر دیدۂ تر سے(۲۱)

تراکیب کے ساتھ فیض نے کلام میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کے لیے عام فہم اور موئثر علامتوں کا استعمال بھی کیا ہے جو اس دور کے مظالم، لوٹ کھسوٹ، سامراجی عزائم اور ان کے مکروہ اعمال کو ڈھکے چھپے انداز میں اشعار کے روپ میں پیش کرتی ہیں۔ فیضؔ کے ہاں جو بھرپور علامتیں ابھر کر سامنے آئی ہیں ان میں رات، سحر، شب، صبح، خورشید، قفس، کتے، سرخ، سیہ، تاریکی اور شمع شامل ہیں۔ ان علامتوں میں جہاں رات، شب، تاریکی، سرخ اور سیہ اس دور کے مظالم، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، غربت و افلاس اور سامراجی طاقتوں کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں صبح، سحر، خورشید اور شمع روشن مستقبل کی امید کا حوالہ بنتی ہیں۔ جب کہ کتے کی علامت اپنے دور کے لاچار، بے بس اور ظلم کی چکی میں پسے ہوئے عوام کے دکھ درد کو پیش کرتی ہے۔

ے
بے نیازِ دُعا ہے ربّ کریم
بجھ گئی شمعِ آرزوئے جمیل
یاد باقی ہے بے کسی کی دلیل(۲۲)

ے
دل کے ایواں میں لیے گل شدہ شمعوں کی قطار
نورِ خورشید سے سہمے ہوئے اکتائے ہوئے
حسنِ محبوب کے سیال تصور کی طرح
اپنی تاریکی کو بھینچے ہوئے لپٹائے ہوئے(۲۳)

ے
آج تک سرخ و سیہ صدیوں کے سائے کے تلے
آدم و حوا کی اولاد پہ کیا گزری ہے؟
موت اور زیست کی روزانہ صف آرائی ہے
ہم پہ کیا گزرے گی، اجداد پہ کیا گزری ہے(۲۴)

ے
پھر لوٹا ہے خورشید جہاں تاب سفر سے
پھر نورِ سحر دست و گریباں ہے سحر سے
وہ رنگ ہے امسالِ گلستاں کی فضا کا
اوجھل ہوئی دیوارِ قفس حدِّ نظر سے(۲۵)

ے
یہ گلیوں کے آوارہ بے کار کتے
کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی
زمانے کی پھٹکار سرمایہ اُن کا
جہاں بھر کی دھتکار ان کی کمائی(۲۶)

ان علامتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی پرانی علامات ہیں جو ہم ترقی پسندوں کے ہاں بار بار سنتے آرہے ہیں لیکن فیضؔ نے ان کو اس سلیقے سے برتا ہے کہ ان میں معنویت کی نئی تہیں اور تہہ داری کی نئی پرتیں سمائی ہوئی نظر آتی ہیں جو اپنے دور کے معاشی زوال اور سماجی استحصال کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں۔بقولِ ڈاکٹر انور سدید:

"فیض کی منفرد عطا یہ ہے کہ انہوں نے لفظ کے گرد نیا احساسی دائرہ مرتب کیا اور اسے سیاست آشنا بنادیا۔"(۲۷)

ان علامتوں کے علاوہ فیضؔ کے ہاں، پھول، گلستاں، گل چیں، باغ، بہار اور خزاں کی علامتیں بھی شاعر کے داخلی اور خارجی کرب کو پوشیدہ اور تہہ دارانہ انداز میں بیان کرتی ہیں۔

"نقشِ فریادی" کے اشعار میں جابجا نادر اور خوبصورت تشبیہات و استعارات کا فن کارانہ استعمال بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ خصوصاً تشبیہات میں ندرت کے ساتھ ساتھ دل موہ لینے والی کیفیت بھی موجود ہے۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ے
رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے(۲۸)

ے
زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں(۲۹)

ے
چھلک رہی ہے جوانی ہر اک بُنِ مو سے
رواں ہو برگِ گل تر سے جیسے سیلِ شمیم(۳۰)

ے
سرخ ہونٹوں پر تبسم کی ضیائیں جس طرح
یاسمن کے پھول ڈوبے ہو مئے گلنار میں(۳۱)

فیض کی استعارات بھی دیدنی ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہو:

ے
نہ پوچھو عہدِ الفت کی، بس اک خوابِ پریشاں تھا
نہ دل کو راہ پر لائے، نہ دل کا مدعا سمجھے(۳۲)

ے
خوش ہوں فراقِ قامت و رخسارِ یار سے
سر و گل و سمن سے نظر کو ستائیں ہم(۳۳)

ے
اے کہ تو رنگ و بو کا طوفاں ہے
اے کہ تو جلوہ گر بہار میں ہے
زندگی تیرے اختیار میں ہے(۳۴)

فیض کے اسلوب کا سب سے امتیازی وصف ان کی تمثیل نگاری ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمثیل نگاری میں جو ملکہ فیضؔ کو حاصل ہے اُردو کے دوسرے شعرا اس سے محروم ہیں۔ ہر دوسرے صفحے پر امیجری سے استفادہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمثیل نگاری فیضؔ کا محبوب حربہ ہے۔ بہ نظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضؔ کے ہاں مرئی اور غیر مرئی دونوں طرح کے امیجز موجود ہیں تاہم ان میں وہ تمثیلیں زیادہ دلکش ہیں جہاں فیضؔ احساسات کو الفاظ کے ذریعے مجسم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید فیضؔ کے اس وصفِ خاص کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فیض کی انفرادیت ان کی بے مثل امیجری میں ہے۔"(۳۵)

ذیل کے اشعار میں فیض کی تمثال نگاری اپنی پوری آب و تاب اور چمک دمک کے ساتھ موجود ہے۔

ے
تہِ نجوم، کہیں چاندنی کے دامن میں
ہجومِ شوق سے اک دل ہے بے قرار ابھی
خمارِ خواب سے لبریز احمریں آنکھیں
سفید رخ پہ پریشان عنبریں آنکھیں
چھلک رہی ہے جوانی ہر اِک بُنِ مو سے
رواں ہو برگِ گل تر سے جیسے سیلِ شمیم
ضیائے مہ میں دمکتا ہے رنگِ پیراہن
ادائے عجز سے آنچل اُڑا رہی ہے نسیم
دراز قد کی لچک سے گداز پیدا ہے
ادائے ناز سے رنگِ نیاز پیدا ہے
اُداس آنکھوں میں خاموش التجائیں ہیں
دلِ حزیں میں کئی جاں بہ لب دُعائیں ہیں
تہِ نجوم کہیں چاندنی کے دامن میں
کسی کا حسن ہے مصروفِ انتظار ابھی
کہیں خیال کے آباد کردہ گلشن میں

ہے ایک گل کہ ہے ناواقفِ بہار ابھی(۳۶)

ے بام و در خامشی کے بوجھ سے چور
آسمانوں سے جوئے درد رواں
چاند کا دکھ بھرا فسانۂ نور
شاہراہوں کی خاک میں غلطاں
خواب گاہوں میں نیم تاریکی
مضمحل لے ربابِ ہستی کی
ہلکے ہلکے سروں میں نوحہ کناں(۳۷)

ے آج پھر حسنِ دل آرا کی وہی دھج ہوگی
وہی خوابیدہ سی آنکھیں وہی کاجل کی لکیر
رنگِ رخسار پہ ہلکا سا وہ غازے کا غبار
صندلی ہاتھ پہ دھندلی سی حنا کی تحریر
اپنے افکار کی، اشعار کی دنیا ہے یہی
جانِ مضموں ہے یہی ، شاہدِ معنیٰ ہے یہی(۳۸)

ے فسردہ رُخ، لبوں پر اک نیاز آموز خاموشی
تبسم مضمحل تھا، مرمریں ہاتھوں میں لرزش تھی
وہ کیسی بے کسی تھی تیری پُر تمکیں نگاہوں میں
وہ کیا دکھ تھا تری سہمی ہوئی خاموش آہوں میں(۳۹)

ان مثالوں کے علاوہ ”نقشِ فریادی“ کی نظموں ”تصور“، ”ایک رہگزر پر“ اور ”رقیب سے“ میں بھی امیجری کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ جب کہ غزلوں میں بھی فیض تمثیل نگاری کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

”نقشِ فریادی“ کا اسلوبیاتی تجزیہ کرنے کے بعد اس بات کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ اُردو شاعری میں فیض کا اسلوب ایک منفرد مقام کا حامل ہے۔ جس میں قدامت وجدت کے رنگ بھی ہیں، رومانوی اور انقلابی طرزِ احساس سے مملو لفظیات بھی ہیں اور نادر تشبیہات و استعارات اور علامات و محاکات کی آرائش و زیبائش بھی۔ اسلوب ہی نے ان کی شاعری کو خوبصورت رنگوں کا مرقع اور مختلف ثمرات کا ایسا شجرِ سایہ دار بنایا ہے جس سے ہر عمر اور ہر قسم کا ذوق رکھنے والا قاری یکساں طور پر مستفید اور محظوظ ہو سکتا ہے اور یہی آفاقی ادب کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے نکل کر ہر خطے اور ہر عہد کے لوگوں کے لیے مشعلِ راہ بن کر ان کے ذوق کی تسکین کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات ص ۱۶۳

۲۔ ایضاً ص۱۶۴

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں ص۵۱۳

۶۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا ص۲۱

۷۔ ایضاً ص۴۳

۸۔ ایضاً ص۵۵

۹۔ ایضاً ص۸۸

۱۰۔ ایضاً ص۳۱

۱۱۔ ایضاً ص۸

۱۲۔ ایضاً ص۵۴

۱۳۔ ایضاً ص۲۷

۱۴۔ ایضاً ص۷۴

۱۵۔ ایضاً ص۸

۱۶۔ ایضاً ص۱۰

۱۷۔ ایضاً ص۲۰

۱۸۔ ایضاً ص۳۴

۱۹۔ ایضاً ص۵۴

۲۰۔ ایضاً ص۵۹

۲۱۔ ایضاً ص۷۵

۲۲۔ ایضاً ص۴۰

۲۳۔ ایضاً ص۸۴

۲۴۔ ایضاً ص۸۲

۲۵۔ ایضاً ص۷۵

۲۶۔ ایضاً ص۷۱

۲۷۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں ص۵۱۳

۲۸۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا ص۸

۲۹۔ ایضاً ص۲۷

۳۰۔ ایضاً ص۳۲

۳۱۔ ایضاً ص۳۶

۳۲۔ ایضاً ص۲۸

۳۳۔ ایضاً ص۶۹

۳۴۔ ایضاً ص۱۵

۳۵۔ ڈاکٹر انور سدید اُردو ادب کی مختصر تاریخ ص۴۴۰

۳۶۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا ص۳۲

۳۷۔	ایضاً	ص ۴۸
۳۸۔	ایضاً	ص ۸۲
۳۹۔	ایضاً	ص ۳۷